شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی دینی وعلمی خدمات کے اثرات

آسیہ کریم*

Abstract:

The 18th century shows the strong influence of the ideology, religious and educat ional services of Hazrat Shah Waliullah in the sub-continent. He playd his role in the politics of sub-continent and invited Ahmad Shah Abdali to control Marhats. He highlighted the importance of understanding the Holy Quran and directed people to give up blind emolation and develop the skills of interperting religion. He advised the people to give up innovations in religion and practice anf follow Islam according to its true teachings. He played his role as a reformer and pointed out the evil practices and condemned the luxurious style of life. He also gave suggestions in this regard. He guided the people to the path of self-respect and dignity. His thoughts and his religious reforms are an important and valuable source for the mental and practical guidance of the Muslim Ummah in their individual and collective life.

شاہ ولی اللہ کے افکار ونظریات اوران کی دینی وعلمی خدمات کے اثرات ہمہ جہت ہیں۔اٹھارویں صدی عیسوی تو بلا شبہ برِصغیر میں شاہ ولی اللہ کی صدی تھی.....لیکن بعد کی صدیوں میں بھی یہاں کا مسلم فکری ڈھانچہ شاہ صاحب کے طے کردہ خطوطِ کاراور لائحہ عمل کا مرہونِ منّت ہے۔

شاہ صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے برِصغیر کی مسلم آبادی کو اپنی توجہات کا مرکزِ اولین بنایا۔(۱) یہاں ایک بڑی ہندو اکثریت پر مسلمانوں نے طویل عرصے تک حکمرانی کی تھی۔یہ ہندو اگرچہ کبھی بھی شورشوں سے باز نہیں رہے لیکن حکومتی جاہ وجلال نے انہیں مرعوب کیے رکھا اور یوں مسلمان اقلیت میں ہونے کے باوجود اس خطے میں امن وچین سے رہتے رہے.....اب اس حکومتی جاہ وجلال کا دمِ واپسیں تھا.....مغل سلطنت کھوکھلی ہوچکی تھی اوراس کے احیاء کی امید بے سود تھی.....اگرچہ عارضی طور پر شاہ صاحب کے ابدالی کو دعوت دینے سے سلطنت کو تھوڑا سا سہارا ملا اور ایک بڑے اور فوری مسئلے، مرہٹہ قوم کا استیصال ممکن ہوا.....لیکن اس بے جان جسد کو سہاروں کے بل پر کھڑا رکھنا ممکن نہیں تھا۔ (۲)

ایسے میں برِصغیر کی مسلم آبادی کے مستقبل کا سوال یقیناً پریشان کن تھا۔حکومت کے زوال اور خاتمے کے ساتھ، پوری مسلمان قوم کے خاتمے کی ایک مثال تاریخ میں موجود تھی اور یہاں بھی مسلم سپین کے سے المیے کے

* ریسرچ سکالر شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور۔

دہرائے جانے کا امکان پیدا ہوسکتا تھا۔ (۳) اگر مسلمانوں کو بروقت بیدار اور ہوشیار نہ کر دیا گیا ہوتا۔

نجیب الدولہ کے نام ایک خط میں شاہ صاحب نے اس خدشے کا واضح الفاظ میں اظہار بھی کیا لکھتے ہیں:

''اگر غلبۂ کفر معاذ اللہ اسی انداز پر رہا تو مسلمان اسلام کو فراموش کر دیں گے اور تھوڑا ہی زمانہ گزرے گا کہ یہ مسلم قوم ایسی قوم بن جائے گی کہ اسلام اور غیر اسلام میں تمیز نہ کر سکے گی۔'' (۴)

شاہ ولی اللہ نے نہ صرف اپنے عہد کی حد تک مسلمانوں کی بیداری کا ہر ممکن سامان کیا بلکہ اپنی اولاد اور تلامذہ کے ایک بڑے حلقے کو وہ شوقِ فراواں اور فکرمندی کا احساس منتقل کیا جنہوں نے ان کے افکار اور ان کے اعلیٰ نصب العین کی شمع کو کٹھن حالات میں بھی فروزاں رکھا۔

مسلمانانِ ہند کو دین سے وابستہ کرنے میں شاہ صاحب کی خدمات کے دو رُخ بڑے نمایاں ہیں، جن کے اثرات آج بھی محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ ایک تو **تصنیف و تالیف** کا میدان تھا اور دوسرا **درس و تدریس**۔

تصنیف و تالیف کے میدان میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی انفرادیت

تصنیف و تالیف کے میدان میں شاہ ولی اللہ نے علومِ اسلامی کے ہر موضوع، قرآن، حدیث، فقہ، تصوف اور کلام وغیرہ کو چھیڑا اور پورا ایک کتب خانہ فراہم کیا۔ (۵) یہ بجائے خود ایک بڑا کام تھا.....لیکن تصنیفی خدمات کے باب میں ان کا غیر معمولی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے حقیقی مسائل کی طرف توجہ دی اور منطق و فلسفے کی موشگافیوں اور حاشیوں پر حاشیے لکھنے کا جو رواج تھا.....اس کو یکسر نظر انداز کر دیا۔

ترجمۂ قرآن:

انہوں نے دیکھا کہ برِصغیر کے مسلمانوں میں **قرآن و حدیث** کی تعلیم اجنبی ہے۔ عامی تو عامی، علماء بھی قرآنِ مجید پر عام طور پر عبور نہ رکھتے تھے۔ مدارسِ دینیہ کے نصاب میں بھی صرف و نحو اور منطق و فلسفہ کی تعلیم تو عام تھی (جنہیں شاہ صاحب **''علومِ آلیہ''** کا نام دیتے ہیں) لیکن مبادیاتِ دین، یعنی قرآن و سنت سے بے اعتنائی برتی جارہی تھی۔ وہ بالکل درست نتیجے پر پہنچے کہ جب تک ایک عام مسلمان کا تعلق قرآنِ مجید سے براہِ راست قائم نہ ہوگا، ایمان کی حرارت و حلاوت اس کو کہاں سے نصیب ہو سکے گی اور امت کے احیاء کا خواب کیونکر شرمندۂ تعبیر ہوگا۔ (۶)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشّاف (۷)

اسی احساس کے تحت انہوں نے فارسی زبان میں قرآنِ مجید کا ترجمہ کیا جو اس دور کی علمی، ادبی اور دفتری زبان تھی.....اور چند سال ہی گزرے کہ ان کے بیٹوں نے دیکھا، فارسی کی جگہ عوام الناس میں اُردو زبان رائج ہو رہی ہے.....تو انہوں نے اردو زبان میں قرآنِ مجید کے تراجم کیے۔ مقصود ایک ہی تھا۔ عوام الناس کے لیے قرآن کو قابلِ فہم بنانا۔ یہ شاہ صاحبؒ ہی کا فیضان تھا کہ بعد میں ایک رَو ہی چل پڑی اور برِصغیر کی ہر قابلِ ذکر زبان میں قرآنِ مجید کے تراجم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا پیغام براہِ راست اس کے بندوں تک پہنچا اور امّت کے احوال میں ایک بڑی تبدیلی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

ڈپٹی نذیر احمد، جنہوں نے خود بھی قرآنِ مجید کا ایک ترجمہ تحریر کیا۔ شاہ ولی اللہ کی اس خدمتِ قرآنی کے بارے میں اپنے ترجمۃ القرآن کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> ''یہ بزرگ زمانے کے حالات پر کیسی وسیع نظر رکھتے تھے کہ ۱۱۵۰ھ میں باپ نے فارسی ترجمے کی ضرورت معلوم کی، پھر سو نہیں، دو سو نہیں.....صرف پچیس برس کے بعد ان کے بیٹے شاہ عبدالقادر کو معلوم ہوا کہ عام مسلمان فارسی بھی کم سمجھتے ہیں.....انہوں نے اردو ترجمہ کیا جو ''موضح قرآن'' کے نام سے مشہور ہے، اور اردو کا بہتر سے بہتر ترجمہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ فی الواقع اپنے وقت میں بہتر سے بہتر تھا بھی.....جب ایک خاندان کے ایک چھوڑ، تین تین ترجمے لوگوں کو مل گئے، ایک فارسی، مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا اور دو اردو، ایک شاہ عبدالقادر اور ایک شاہ رفیع الدین کا، تو اب ہر ایک کو ترجمے کا حوصلہ ہو گیا.....مگر خاندانِ شاہ ولی اللہ کے سوا کوئی شخص مترجم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا.....وہ ہرگز قرآن کا مترجم نہیں، بلکہ مولانا شاہ ولی اللہ اور ان کے بیٹوں کے ترجموں کا مترجم ہے کہ انہیں ترجموں میں اس نے کچھ ردوبدل اور تقدیم وتاخیر کر کے جدید ترجمے کا نام کر دیا۔'' (۸)

یہ شاہ ولی اللہ کی مساعی کی برکت ہے کہ آج برِصغیر کے مسلمانوں کی اکثریت قرآنِ مجید کے مضامین سے واقف ہے.....اسی کتابِ ہدایت نے انہیں صنم کدۂ ہند میں سر اُٹھا کر جینے کا حوصلہ عطا کیا اور ہندو مذہب اور تہذیب کا، جسے مؤرخین **''اکّال الاُمم''** (امتوں کو کھا جانے والا) (۹) کہتے ہیں، شکار ہونے سے بچایا۔

علمِ حدیث کا احیاء

اسی طرح انہوں نے **حدیثِ نبویؐ** کا ترجمہ کیا۔ان کا رجحانِ طبع مؤطا کی جانب تھا،اس لیے اس کی دو شرحیں لکھیں عربی اور فارسی میں..... حجۃ اللہ البالغہ بھی بنیادی طور پر حدیث ہی سے تعلق رکھتی ہے کہ شاہ صاحبؒ کے اپنے بقول،انہوں نے اس میں اسرارِ حدیث بیان کیے ہیں۔ (۱۰) اس کتاب میں انہوں نے حدیثِ نبویؐ کی اہمیت کو ہر شعبۂ زندگی میں نمایاں کیا.....معاشرت وتمدن میں، ریاست وحکومت میں،معیشت اور اخلاق میں..... یہاں تک کہ واضح ہوگیا کہ ایک صحیح مومنانہ زندگی حدیثِ نبوی کی رہنمائی کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔

برِصغیر میں علمِ حدیث کا احیاء شاہ صاحبؒ کا ایسا کارنامہ تھا جس نے ان کو اس خطّے سے باہر بھی شہرت عطا کی۔ایم،ایم شریف نے کئی عرب علماء کے اس اعتراف پر مبنی بیانات کا حوالہ دیا ہے جو شاہ صاحبؒ کی اس حوالے سے خدمات کی تعریف وتحسین کرتے ہیں۔

> Jamal ud Din Qasmi, an eminent scholar of Hadith in Damascus, has time and again referred to Shah Waliullah's valuable thought in his famous book "Qawaid Al Tahdith" which is considered to be a basic work in the principles of Hadith. Abu Zahau, In his scholarly treatise, "Al Hadith wal Muhaddithin", in which he traces the history of the revival of Hadith in different lands, pays glowing tributes to Shah Waliullah for the enviable contributions that he made in connection with the popularization of the study of Hadith in India. In fact, he places him at the top of the list in this respect.(۱۱)

اس خدمتِ حدیث کے **دو نمایاں اثرات** تھے.....ایک تو یہ کہ اخلاق وعمل کے باب میں حدیثِ نبوی سے عملی نمونہ فراہم ہوتا ہے جو اخلاقی تعلیم کے حوالے سے انتہائی اہمیت رکھتا ہے.....مسلمانانِ برِصغیر کو بلاشبہ یہ فائدہ حاصل ہوا۔دوسرا اہم ترین فائدہ یہ بھی حاصل ہوا کہ علماء کی توجہ حدیث کی طرف مبذول ہوئی۔مولانا ابوالحسن علی

ندویؒ نے ان دونوں اثرات کا بڑا جامع تجزیہ کیا ہے۔

''شاہ ولی اللہ کی خدمتِ حدیث اس ملک ہی میں نہیں، اس دورِ آخر میں تجدیدی واجتہادی شان اور احیاء کا رنگ رکھتی ہے اور جس سے اس ملک میں حدیث کا سکّہ رائج الوقت کی طرح چلن ہو گیا.....وہ نصابِ درس کا ضروری جزو اور معیارِ فضیلت قرار پائی۔ درسِ حدیث کے مستقل حلقے قائم ہوئے ،مدارس میں صحاحِ ستہ کے درس، بالخصوص کتبِ اربعہ، بخاری، مسلم، ابوداؤد وترمذی کو تحقیق کے ساتھ پڑھنے کا رواج ہوا (جواب عرب ممالک میں بھی مفقود ہے) شروحِ حدیث کا دور شروع ہوا.....اور دیکھتے ہی دیکھتے اس پر ایک وسیع وعظیم کتب خانہ تیار ہو گیا۔ جس کی مثال ممالکِ عربیہ میں بھی نہیں نظر آتی۔ اسی طرح کتبِ حدیث کے تراجم ہوئے جن سے عامۃ المسلمین اور غیر عربی دانوں، بالخصوص مسلمان خواتین کو بیش بہا فائدہ پہنچا .....عمل کی تحریک اور اتباعِ سنت کا شوق پیدا ہوا.....اجازتِ حدیث اور سند کا ذوق ہوا اور ہندوستان اس فنّ شریف کا ایسا مرکز بن گیا کہ سیّد رشید رضا، مدیر ''المنار'' کے قلم سے حسبِ ذیل الفاظ نکلے کہ ''اگر ہمارے بھائیوں، یعنی علمائے ہندوستان نے اس زمانے میں علومِ حدیث کے ساتھ اعتناء نہ کیا ہوتا تو مشرقی ممالک میں مکمل طور پر ان کا زوال ہو گیا ہوتا.....اس لیے کہ مصر، شام، عراق اور حجاز میں دسویں صدی ہجری میں ہی ان میں ضعف پیدا ہو گیا تھا جو اس چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔'' (۱۲)

فقہ واجتہاد، جدّتِ فکر اور مسلکِ اعتدال:

فقہ واجتہاد میں شاہ صاحبؒ نے ایک نیا رجحان برِصغیر میں متعارف کروایا۔ انہوں نے تقلیدِ محض سے انکار کیا اور قرآن وحدیث کو ''اصل'' قرار دیا۔ سید مودودیؒ اس معاملے میں ان کے طرزِ عمل سے بڑے متاثر اور معترف ہیں:

''انہوں نے فقہ میں ایک نہایت معتدل مسلک پیش کیا ہے جس میں کسی ایک مذہب کی جانب داری اور دوسرے مذاہب پر نکتہ چینی نہیں پائی جاتی۔ ایک محقق کی طرح انہوں نے تمام مذاہبِ فقہیہ کے اُصول اور طریقِ استنباط کا مطالعہ کیا ہے اور بالکل آزادانہ رائے قائم کی ہے۔ جس مذہب کی کسی مسئلہ میں تائید کی، اس بنا پر کی کہ دلیل اس کے حق میں پائی، نہ اس بنا پر کہ وہ اس مذہب کی وکالت کا عہد کر

چکے ہیں.....اور جس سے اختلاف کیا، اس بنا پر کیا کہ دلیل اس کے خلاف پائی، نہ اس بنا پر کہ انہیں اس سے عناد ہے۔''(۱۳)

اہلِ علم کو بھی وہ یہی رویہ اختیار کرنے کی تلقین فرماتے ہیں کہ تقلیدِ اعمیٰ کو چھوڑ کر، اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کی روشنی میں وہ خود دلائل کا تجزیہ کریں اور پھر اپنی رائے شرحِ صدر کے ساتھ قائم کریں.....البتہ عامۃ الناس، جو اجتہاد کی اہلیت اور صلاحیت نہیں رکھتے، انہیں وہ پابند کرتے ہیں کہ وہ کسی نہ کسی امام کی تقلید کریں.....کم علمی کے ساتھ غلط رائے قائم کرنے کی نسبت یہ محفوظ راستہ ہے۔ (۱۴)

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگان محفوظ تر

شاہ صاحب کے خیال میں فقہاء کا اختلاف دراصل قرآن وسنت سے اپنے اپنے احوال وظروف کے اعتبار سے استفادے کے فرق کا معاملہ ہے اور یہ بالکل فطری بات ہے۔ (۱۵) تاہم اس کے باوجود وہ سارے مسالک کو ایک رائے پر جمع کرنے کا ایک دلچسپ طریق کار وضع کرتے ہیں۔ یہ مسالکِ فقہ اور مسائل کے گہرے ادراک اور شاہ صاحب کی عبقریت کی دلیل ہے۔

التّفهيمات الالـهيّة میں فرماتے ہیں:

''میرے دل میں ایک خیال ڈالا گیا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے مذہب امت میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ سب سے زیادہ پیرو بھی انہیں دونوں کے پائے جاتے ہیں اور تصنیفات بھی انہیں مذاہب کی زیادہ ہیں۔ محدّثین، متکلمین، فقہاء، مفسرین اور صوفیاء زیادہ تر شافعی مسلک کے پیرو ہیں اور حکومتیں اور عوام زیادہ تر مذہبِ حنفی کے متبع ہیں۔ اس وقت جو امرِ حق **ملأ اعلیٰ** کے علوم سے مطابقت رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک مذہب کی طرح کر دیا جائے۔ ان دونوں کے مسائل کو حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مجموعوں سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے۔ جو کچھ ان کے موافق ہو، وہ باقی رکھا جائے اور جس کی کوئی اصل نہ ملے، اسے ساقط کر دیا جائے.....پھر جو چیزیں تنقید کے بعد ثابت نکلیں، اگر وہ دونوں مذاہب میں متفق علیہ ہوں، تو وہ اس لائق ہیں کہ انہیں دانتوں سے پکڑ لیا جائے.....اور اگر ان دونوں کے درمیان اختلاف ہو تو مسئلے

میں دونوں قول تسلیم کیے جائیں اور دونوں پر عمل کرنے کو صحیح قرار دیا جائے یا تو ان کی حیثیت ایسی ہو گی ،جیسی قرآنِ مجید میں اختلاف قراءات کی حیثیت ہے.....یا رخصت اور عزیمت کا فرق ہو گا.....یا کسی مخمصہ سے نکلنے کے دو راستوں کی سی نوعیت ہوگی جیسے تعدد کفارات.....یا دو برابر کے مباح طریقوں کا سا حال ہوگا.....ان چار پہلوؤں سے باہر کوئی پہلو ان شاء اللہ تعالیٰ نہ پایا جائے گا۔'' (۱۶)

شاہ صاحبؒ کے خیال میں قرآن وسنت کی پیروی اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد واتفاق اور باہمی اخوت کی فضا اصل مطلوبِ شریعت ہے۔افتراق واختلاف ناپسندیدہ اور نامحمود شے ہے۔

شاہ صاحبؒ کی اجتہادی فکر کے اثرات

یہ شاہ صاحب کی فکر کا فیضان ہی ہے کہ فرقہ پرستی کا کوئی عمومی رجحان برِصغیر میں پیدا نہیں ہوسکا.....حتی کہ وہ لوگ ، جو فکری تشدد کا میلان رکھتے ہیں.....انہیں بھی فرقہ پرستی اور مسلک پرستی کی مذمت کرنا پڑتی ہے.....مسالکِ فقہ کو ان کی اصل ،یعنی قرآن وحدیث کی طرف لوٹانے کا رجحان بھی ہے **"فقه السنّة"** اور **"فقه الحديث"** کی قسم کی کتب بھی سامنے آئیں.....اسی طرح **اجتماعی اجتہاد** کے ادارے بھی وجود میں آئے جہاں تمام مکاتبِ فکر کے علماء کو جمع کیا جاتا ہے اور متعلقہ علوم کے سائنسی اور فنّی ماہرین کو بھی.....اور **مسائلِ حاضرہ** کو اسلام کی روشنی میں دیکھنے اور کوئی قابلِ قبول اور قابلِ عمل راستہ نکالنے پر غور کیا جاتا ہے۔سعودی عرب کا **"مجمع الفقه الاسلامی"** اس کی ایک بڑی مثال ہے۔امتِ مسلمہ کو یک جان اور عصری مسائل کے حوالے سے یکسو کرنا ان اداروں کا مقصود ہے۔خود پاکستان میں مختلف مسالک کو جمع کرنے اور فرقہ واریت کے مقابلے پر اتحاد واتفاق پیدا کرنے کی کوششیں بھی جاری رہتی ہیں اور بہت حد تک کامیاب بھی ہیں..... یہ واضح اثر ہے شاہ صاحبؒ کے پیدا کردہ رجحان کا.....کہ ان کی دعوتِ اجتہاد اور اتحادِ امت کی صدا بے اثر ثابت نہیں ہوئی ہے۔

شاہ ولی اللہ کا وہ تصنیفی کارنامہ، جس نے آنے والی صدیوں پر نمایاں ترین اثر ڈالا ،وہ **اسلامی نظام** کو ''جامعیت اور منطقی ترتیب کے ساتھ ایک مرتب صورت میں پیش کرنا تھا۔'' (۱۷)

انہوں نے محض ترتیب وتدوین کا کام نہیں کیا.....بلکہ ایک ایک حکم کی **علتیں** اور **حکمتیں** واضح

کیں.....سید مودودیؒ کے بقول ''اس کام میں وہ اپنے تمام پیش رووں (یعنی صفِ اوّل کے مسلم مفکرین) سے بازی لے گئے ہیں۔ (۱۸)

حجۃ اللہ البالغہ اور البدور البازغۃ، دونوں اسی موضوع کا احاطہ کرتی ہیں۔ برِصغیر کے مسلمانوں کے لیے یہ پیغام دوہری افادیت کا حامل ثابت ہوا۔ ایک طرف تو انہیں اپنے دین کی تعلیمات اور اپنی معاشرتی زندگی کو ہندو اثرات سے بچانے میں اس نظریے اور تعلیم سے مدد ملی (۱۹) اور دوسرے، مسائلِ حیات میں اسلامی احکام معلوم کرنے کا ذوق پروان چڑھا.....یہی وجہ ہے کہ بعد کے ادوار میں نظامِ اسلامی کے مختلف شعبوں پر برِصغیر میں اتنا علمی سرمایہ فراہم ہوا کہ دیگر ممالک میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ (۲۰)

آج مشکل ہی سے زندگی کا کوئی معاملہ ہوگا جس کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر سے قابلِ ذکر اور وقیع کتب اور مفصل رہنمائی نہ ملتی ہو۔ متحدہ ہندوستان میں بھی اور قیامِ پاکستان کے بعد دونوں ممالک میں ایسے ادارے قائم ہوئے جو مسلمانوں کی اس ضرورت کو پورا کرنے کا اہتمام کریں۔ **ندوۃ العلماء** اور **دار المصنّفین**، **اسلامی فقہ اکیڈمی** (انڈیا) اور ادارہ **تحقیقات اسلامی** پاکستان وغیرہ اس کی مثال ہیں۔

اس ضرورت کو ''پیدا کرنے'' اور اس اہم کام کی طرف توجہ دلانے کا سہرا شاہ صاحب اور ان کی مایہ ناز تصنیف حجۃ اللہ البالغہ کے سر ہے۔ یہ کتاب عالمِ عرب میں بھی بڑی مقبول ہوئی اور جامعہ ازہر کے نصاب کا حصہ رہی ہے۔ اس کے کچھ اجزاء سید ابوالحسن علی ندوی کی ''**مختارات**'' کی صورت میں مصر کے سیکنڈری سکولوں کے نصاب میں بھی شامل رہے۔ (۲۱) ایسے میں یہ مماثلت بڑی دلچسپ ہے کہ اسلام کے ''**نظامِ حیات**'' ہونے کا نعرہ (Slogan) پاکستان کے بعد (عالمِ عرب میں) مصر میں سب سے زیادہ مقبول نعرہ ہے۔

دینی ادب کی وسعت اور نیا اُسلوب

برِصغیر کے دینی ادب میں شاہ ولی اللہ نے ایک **نئے اُسلوب کی بنا** رکھی۔ **مقفّٰی** اور **مسجّع** عبارتوں کی بجائے (عام طور پر) صاف اور سادہ اُسلوب میں اپنی بات قاری تک پہنچائی۔ ان کا یہ انداز ان کے تراجم سے لے کر فلسفیانہ مضامین اور صوفیانہ واردات کے بیان تک، ان کے پورے تصنیفی کام پر حاوی ہے۔

قرآنِ مجید کا ترجمہ پڑھتے ہوئے شاہ صاحب کا یہ انداز پڑھنے والے کے لیے بے انتہا مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں کئی مقامات ایسے ہیں جہاں کسی لفظ میں ایک سے زیادہ معانی کا احتمال موجود ہے.....شاہ صاحبؒ اپنے مقصود، یعنی عامۃ الناس میں قرآن فہمی کے رجحان کو سامنے رکھتے ہیں اور ان سارے احتمالات کو نظر انداز کر کے، موقع محل کی مناسبت سے جس معنی کو ترجیح کے قابل سمجھتے ہیں، صرف اسی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اسی طرح، کتنے ہی ایسے مقامات سے، جہاں تفسیری نوٹ کی واقعی ضرورت موجود تھی.....محض ترجمے میں ایک آدھ تشریحی لفظ کا اضافہ شامل کرنے سے قاری کو آسان گزار لے جاتے ہیں۔ (۲۲)

ان کی دیگر تصانیف کی نسبت حجۃ اللہ البالغہ میں یہ رنگ زیادہ نمایاں اور گہرا ہے اور یہ اُسلوب اپنے کمال کو پہنچا دکھائی دیتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی اور ایک عام آدمی کے گرد پھیلی مخلوقات مثلاً چڑیوں، شہد کی مکھیوں، نباتات اور حیوانات کی مثالوں سے وہ اپنے مفہوم اور مدعا کو واضح کرتے چلے جاتے ہیں۔ جگہ جگہ آیاتِ قرآنیہ اور زیادہ تر احادیثِ نبویہؐ سے استدلال کرتے ہیں۔ بظاہر یوں لگتا ہے کہ انہوں نے ایک مقام پر بہت سی احادیث جمع کر دی ہیں.....لیکن حقیقت یہ ہے کہ جمع و ترتیب کا یہ کام منتخب ہے اور زیرِ بحث مسئلے کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔ آج کے دور میں آیاتِ قرآن اور احادیث نبویہؐ سے استدلال اور استنباطِ احکام کا رواج، کم از کم برِصغیر کی حد تک، شاہ صاحبؒ کی ڈالی ہوئی رسم کے اثر سے ہی ہے۔

ہم نے جو طرزِ فغاں کی تھی قفس میں ایجاد
آج گلشن میں وہی طرزِ بیان ہے ہر طرف

شاہ صاحبؒ کے اس طرزِ تحریر کی صحیح قدر تو اس وقت معلوم ہوتی ہے جب اس کو اس زمانے کے طرزِ تصنیف کے مقابلے میں رکھا جائے جہاں شاہ صاحب نے اپنی سب سے الگ راہ نکالی۔ سید مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

''جہاں تک میں سمجھتا ہوں.....ایک مدت سے ہندوستان ہی میں نہیں، بلکہ تمام دنیا میں بھی کوئی قابلِ ذکر مصنف پیدا نہیں ہوا تھا۔ تصنیف کا ذوق وشوق تو باقی تھا.....لیکن کتابوں میں صرف لفظوں کی بھرمار ہوتی تھی۔ انتہا یہ تھی کہ تاریخ، جس کا سرمایہ صرف واقعات ہیں، اس کی کتابوں میں بھی ادھر دو تین صدیوں سے یہ آفت آئی ہوئی تھی کہ محض لفظوں کی دھڑا بندی کی جاتی تھی۔ علماءِ اسلام کے جو تذکرے تیار ہوئے ان میں دیکھئے تو بقول نواب حبیب الرحمٰن شروانی، سوائے

''**البحر العلّام و البحر القمقام**'' کے ہم قافیہ الفاظ کے، سوانح حالات کی ایک سطر نہیں ملتی۔ بے مائگی میں یہی حال دوسرے علوم وفنون کی کتابوں کا بھی تھا۔''(۲۳)

ایسے میں شاہ صاحب نے جو''**اُسلوبِ بدیع**'' ایجاد کیا اسے''**سہلِ ممتنع**'' بھی کہا جا سکتا ہے۔اپنی سادگی، سلاست، اور دل کشی میں وہ کسی عبارت آرائی سے کہیں بڑھ کر ہے۔اس اُسلوب پر مناظر احسن گیلانی صاحب کے بقول ''ایک مستقل مضمون'' لکھا جا سکتا ہے.....لیکن ''مختصر الفاظ'' میں جو کچھ انہوں نے تعارف کروایا ہے وہ بھی قابلِ دید ہے۔فرماتے ہیں:

''(برِصغیر کی حد تک) شاہ ولی اللہ وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اپنی عبارتوں میں زیادہ تر''**صاحبِ جوامع الکلم النبی الخاتم**'' صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طرزِ گفتگو کی پیروی کی ہے۔حتی الوسع وہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مدّعا کا اظہار انہیں لغات اور انہیں محاوروں میں کریں جو لسانِ نبوت اور زبانِ رسالت سے خاص تعلق رکھتے ہیں.....اور اس میں خدا نے ان کو خاص مہارت عطا فرمائی ہے۔ان سے پہلے تو کسی کو عبارت کے اس ڈھنگ کی طرف توجہ ہی نہیں ہوئی.....لیکن ان کے بعد بھی اس کی تقلید آسان نہیں ہے۔حدیث کے بعد ان کی عبارات میں قرآنی طرزِ تکلّم کا بھی اثر ہے.....اور اسی چیز نے ان کی کتابوں کے رنگ کو عربی زبان کے تمام دوسرے مصنفین سے ممتاز کر دیا ہے۔فارسی میں اگرچہ شاہ صاحبؒ نے کم لکھا ہے لیکن جو کچھ لکھا ہے اس میں کم از کم ان علماء کے لیے درسِ عبرت ہے جو اپنے زمانے کے عام طریقِ انشاء و کتابت میں لکھنے پڑھنے کو اپنی علمی شان سے گری ہوئی بات خیال کرتے ہیں۔شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیزؒ کی کتابوں کو پڑھیے اور اس زمانے کے بڑے بڑے اربابِ انشاء کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیجئے.....مشکل ہی سے ان حضرات کی عبارات ان سے دب سکتی ہیں۔'' (۲۴)

یہ نیا اُسلوب، انفرادیت کے راستے سے شہرت پانے کی سطحی خواہش کے تحت نہیں تھا..... بلکہ امت کے مستقبل پر منڈلاتے مہیب اور تاریک سایوں اور اصلاحِ احوال کی بے قراری نے انہیں سجھایا تھا۔سوزِ دوروں اور اضطراب کی یہ بالکل وہی کیفیت تھی جس کا نقشہ علامہ اقبالؒ نے اپنے فارسی کلام میں یوں کھینچا ہے۔

نغمہ کجا و من کجا، سازِ سخن بہانہ است

سوئے قطار می کشم، ناقۂ بے زمام را

اوراردو میں فرمایا:

میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ مے خانہ (۲۵)

ان کے اخلاص اوراس منفرد اُسلوب نے ان کی تصانیف کو ایک بڑے حلقے میں مقبولیت بخشی اورعوام الناس کی اخلاقی اصلاح اوران میں دینی بیداری کا رجحان بڑی واضح صورت میں سامنے آیا۔مؤرخین ان اثرات کی بڑی فراخ دلی سے تعریف وتحسین کرتے ہیں۔

پاکستان کے ممتازمؤرخ ومحقق ڈاکٹراشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:

''دوسرے مسلم مفکرین کی طرح شاہ ولی اللہ کا عقیدہ بھی اسلام کی ہمہ گیرنوعیت پرمبنی تھا.....وہ ایک طرف عمرانیات، سیاسیات اور معاشیات کے اُصولوں اور دوسری طرف اسلام کی اخلاقی تعلیمات کے درمیان حدِّ فاصل نہیں کھینچتے تھے.....مذہب اورمعاشرے کا یہ تصوراس شخص پر بڑی گراں بار ذمہ داری عائد کر دیتا ہے جو اپنی قوم کے اسبابِ انحطاط کی تشخیص کرنے لگا ہو،اس کے لیے بڑا تبحّرِ علمی درکار ہوتا ہے۔یہ ایسی کاوش طلب کرتا ہے جومتعدد ومختلف مضامین پرتصانیف کا ایک کتب خانہ پیدا کرنے کی صلاحیت واہلیت رکھتی ہو۔شاہ ولی اللہ نے اتنے زبردست کام سے پہلوتہی نہیں کی اوراسے غیرمعمولی کامیابی کے ساتھ انجام دیا.....یہ صحیح ہے کہ وہ سیاسی انحطاط کے جزرکوروک نہیں سکے لیکن انہوں نے قوم کے اندرایسی امنگیں پیدا کر دیں جنہوں نے اسے اس قابل بنا دیا کہ وہ اپنے اخلاقی ذوق وشوق میں سے کچھ دوبارہ واپس لے لے اوراپنے عقائد کی پاکی کو برقرار رکھ سکے۔قوم کے ضمیر،اس کے عقائداوراس کے اخلاقی مقصد پراس کے ایقان کو اٹھارویں صدی کے ملبے میں سے باہرنکال لینا بذاتِ خودکوئی معمولی کارنامہ نہیں تھا.....مگرشاہ ولی اللہ نے اس سے بھی بڑھ کر کامیابی حاصل کی۔اپنی تصانیف کے ذریعے انہوں نے مسلم فکر کے بہت سے میدانوں میں دیرپا اضافے کیے۔'' (۲۶)

شیخ محمد اکرام، اپنی کتاب رودِکوثر میں شاہ ولی اللہ کی ان مساعی کے اثرات کا تجزیہ یوں کرتے ہیں:

(**اخلاقی اور روحانی انحطاط** کے سدّ باب کے حوالے سے) یہ ''تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مردِ گرامی حالات کی پورے طور پر اصلاح کر سکا اور جس سیلاب کو **اورنگزیب عالم گیر** جیسا دور اندیش اور مستعد منتظم نہ روک سکا، اس کا فوری سدِّ باب ایک مذہبی عالم سے کس طرح ہو سکتا تھا لیکن اس بزرگ کی کوششوں سے اتنا ہوا کہ جب اس سیلاب کے بند ٹوٹے تو جہاں مغلوں کا تخت و تاج اس سیلاب میں بہ گیا، وہاں تسبیح و سجادہ تو سلامت رہے اور سیاسی زوال کے ساتھ، قوم کا دینی انحطاط نہ شروع ہو گیا۔''(۲۷)

اُردو زبان وادب پر اثرات

شاہ صاحب کی تصانیف نے صرف اپنے زمانے پر ہی اثر نہیں ڈالا..... بلکہ ان کا **فیض اور ثمرات** آج تک کسی نہ کسی صورت جاری ہیں۔ اردو زبان کا وسیع و عریض دینی ادب شاہ ولی اللہ کی تحریک ہی کا مرہونِ منت ہے۔ **اردو ادب** کے حوالے سے لکھی گئی کتاب ''دین وادب'' میں جناب نجم الاسلام نے شاہ صاحب کی تصنیفی خدمات کے اُردو زبان وادب پر اثرات کے حوالے سے دو اہم پہلوؤں کا تذکرہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''شاہ صاحبؒ کے زمانے میں ہر طرف فارسی کی حکمرانی ہوتے ہوئے بھی اردو پر پرزے نکال رہی تھی اور اس کا مستقبل روز بروز سنورتا نظر آتا تھا۔ شاہ ولی اللہ نے اپنے صاحبزادوں کو، جو ان کے بعد ان کے شروع کیے ہوئے تجدیدی واحیائی کام کے رہنما بننے والے تھے، اردو زبان کے اُصول بحیثیت فن حاصل کرنے پر لگا دیا اور ان میں ایسی معیاری صلاحیت پیدا کر دی کہ قرآن کریم کا ترجمہ اردو میں کرنے کے قابل ہو گئے..... اُردو میں قرآنِ پاک کا مکمل ترجمہ صرف دین ہی کی ایک بڑی خدمت نہیں تھی اردو نثر کی بھی ایک عظیم الشان خدمت تھی۔ اور یہ خدمت انجام پذیر ہونی مشکل تھی اگر شاہ ولی اللہ کا فارسی ترجمہ ان کے بیٹوں کی رہنمائی نہ کرتا اور اس کام کی تکمیل کے لیے عملی نمونے اور محرک کا کام نہ کرتا۔..... شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے احسانات واثرات میں ایک یہی اہم بات نہیں ہے کہ انہوں نے اردو میں تصنیف وتالیف کی تحریک پیدا کی..... بلکہ ان کی تصانیف نے اربابِ نظم ونثر کے لیے ترجمہ یا نئی تصانیف کا مواد فراہم کیا۔ آپ کی کتابوں کے اُردو تراجم ہوئے جن سے اردو کے علمی

خزانے میں نہایت قیمتی اضافہ ہوا۔'' (۲۸)

تزکیہ وتربیت

تصنیف وتالیف کے علاوہ .....شاہ ولی اللہ کی خدمات کا دوسرا بڑا میدان **درس وتدریس** اور **تزکیہ و تربیت** کا تھا۔ سید مناظر احسن گیلانی کے بقول، حرمین شریفین سے واپسی کے بعد شاہ صاحب نے ''**معلّم الصّبیانی**'' (۲۹) سے فراغت حاصل کر لی تھی۔ شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ ہر مضمون کا ایک آدمی تیار کیا اور وہ مضمون اس کے حوالے کر دیا تھا۔ (۳۰) لیکن دو تین اہم مضامین، جن کی تدریس شاہ صاحب نے دمِ واپسیں تک جاری رکھی، وہ قرآنِ مجید، حدیثِ نبویؐ اور تزکیہ وتصوف کی عملی تربیت کے تھے۔ ان تینوں مضامین کی اپنی اپنی جگہ خاص اہمیت تھی جو بعد کے حالات اور واقعات کی شہادتوں سے بڑی نمایاں ہو کر سامنے آئی۔

تزکیہ وتصوّف کو شاہ صاحب **''احسان''** کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ہمارے آج کے دور میں عامۃ الناس کے لیے یہ بہت مانوس نہیں رہا۔ کچھ تو **''متصوّفین''** کی مبہم اور مشکل اصطلاحات .....اور کچھ جدید دور کا سائنسی اور مشاہداتی ذوق، جس نے صوفیانہ تجربات اور تجریدی واردات کی اہمیت کو گھٹا دیا ہے۔ ایسے میں اس کی افادیت اور ضرورت سمجھنا سمجھانا مشکل ہو گیا ہے۔ .....لیکن ۱۷۰۳ء میں جب شاہ ولی اللہ نے آنکھ کھولی تو حالات بالکل مختلف تھے۔

تصوف اور احسان کا رواج اور چلن تھا (اس کی بہت سی وجوہات بیان کی جاتی ہیں اور شاید سبھی درست ہیں) خانقاہیں قائم تھیں اور مریدوں کے حلقے اور کرامات کے چرچے تھے۔ (۳۱) دوائے دل بیچنے والوں میں کچھ ''عطائی'' بھی آن گھسے تھے جیسا کہ زندگی کے ہر شعبے میں ہوا ہی کرتا ہے۔ شاہ صاحبؒ کے پیشِ نظر اس شعبے میں دو اہم اصلاحات تھیں.....ایک تو یہ کہ اسے غیر اسلامی اور ہندی و یونانی فلسفے کی آمیزش سے پاک کیا جائے۔ اس کے درست اُصولوں کی تعلیم دی جائے اور اسلامی تصوّف کی اصل تاریخ سامنے لائی جائے۔ یہ کام انہوں نے اپنے قلم سے لیا۔ جہاں مناسب سمجھا، تعریف وتحسین کی اور ناروا اور غلط، غیر اسلامی رسوم پر کڑی تنقید بھی کی۔ یہ شاہ صاحبؒ کے اس دور کے اعتبار سے ایک غیر معمولی جرأت مندانہ اقدام تھا۔ مریدین کے حلقے اس قسم کی کسی تنقید کے عادی نہیں تھے۔ (۳۲)

دوسرا اہم پہلو تصوف کی عملی تربیت کا تھا۔ خود شاہ صاحبؒ نے ایک مقام پر تذکرہ کیا ہے کہ جس طرح گاؤں کی کوئی جاہل بڑھیا کسی ایک نسخے کو ہر مریض پر آزمانے پر مصر ہوتی ہے..... ایسی ہی دوا تصوف اور سلوک کو بھی سمجھ لیا گیا ہے اور شخصی حالات اور ضروریات سے قطعِ نظر جاہل "متصوفین" ایک ہی نسخہ ہر اس فرد پر، جو تزکیۂ نفس اور جلائے قلب کا خواہاں ہے، استعمال کروائے جاتے ہیں۔ (۳۳) چونکہ شخصی استعداد کا تعین ایک ایسا معاملہ ہے جس کے لیے کوئی معیاری پیمانہ وضع کرنا آسان نہیں، غالباً یہی وجہ تھی کہ شاہ صاحب نے یہ کام بنفسِ نفیس انجام دیا۔ اسی دوران ان کے اس حلقۂ خاص کی تربیت بھی ہوئی جس نے آگے چل کر شاہ صاحبؒ کی میراثِ علم و عمل کو نہ صرف سنبھالا بلکہ اس مشن کو آگے بڑھایا۔ (۳۴)

شاہ ولی اللہ نے تصوّف کو جو اتنی اہمیت دی، وہ محض زمانے کے رواج کی پیروی میں نہیں تھی۔ زمانے کے کتنے رواج انہوں نے بلا خوف لومۃ لائم ردّ کیے ان کی کھلے عام اور بڑے سخت اور تلخ الفاظ میں مذمت کی۔ (۳۵) تزکیہ و تصوّف کے معاملے میں وہ ٹھیک سمجھے تھے کہ دل کے تاروں کو چھیڑے بغیر نفس کے تقاضوں کو زیر کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ صدائے اصلاحِ اخلاق و احوال اگر دل سے بلند نہ ہو تو نتیجہ خیز ہو ہی نہیں سکتی۔ (۳۶)

؎ وہی دیرینہ بیماری، وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی (۳۷)

وہ احسان و سلوک، جسے تصوف کی خاص اصطلاحات کے دائرے سے باہر نکال کر شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں پیش کیا ہے وہ اتنا سادہ اور آسان ہے کہ عام آدمی بھی اسے سمجھ سکتا ہے۔ (۳۸) اس احسان کی روح اللہ تعالیٰ کی محبت ہے..... اس کا ذکر و فکر اور قلب و ذہن پر اسی کی یاد کی حکمرانی، اخلاقی زندگی کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔ ایمان کے مفہوم میں اگر حیا بھی شامل ہے۔ (۳۹) حسن خلق اگر ایمان کا حصہ ہے۔ (۴۰) راستے سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹانا (۴۱) اور ایک دوسرے کی ہمدردی و مواساۃ اور سلام کا پھیلانا (۴۲) آپس کی محض رضائے الٰہی کیے لیے محبت (۴۳) اور باہمی تعلقات کی اصلاح (۴۴) اگر ایمان ہی کے لوازمِ تکمیل ہیں تو آخر اس ایمان کا سرچشمہ کیا ہے اور یہ اللہ کی محبت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (۴۵)

شاہ ولی اللہ بتاتے ہیں کہ اخلاقی زندگی کے حسن کا سرچشمہ یہی احسان ہے۔ وہ خصائلِ اربعہ اس احسان ہی کے نتیجے میں انسانی شخصیت میں پیدا ہوتے ہیں جو اخلاقی زندگی کا آئیڈیل اور معراج ہیں۔

تحریکِ مجاہدین کی فکری صورت گری

احسان اور تزکیہ کی اسی عملی اہمیت کے پیشِ نظر تصنیف وتالیف کی بھاری ذمہ داریوں میں بھی شاہ صاحبؒ نے اپنے وقت کا ایک حصہ اس کے لیے مخصوص رکھا۔ یہ خاص منتہی طلبہ کا حلقہ تھا.....لیکن آگے چل کر اسی حلقے نے عامۃ المسلمین کی ایک بڑی تعداد کی رہنمائی کی اور ان کی تربیت سے **''صفائے باطن''** کے وہ نمونے سامنے آئے جن کے دن جہاد کی صعوبتوں اور مشقتوں میں اور جن کی راتیں ذکر وفکر اور قیام ورکوع وسجود میں گزرتی تھیں حقیقت یہ ہے کہ تصوّف کے باب میں جماعتِ صحابہؓ شاہ صاحب کا آئیڈیل تھی جس نے تلاوت، ذکر، نماز اور جہاد سے ان **''مقامات''** کو حاصل کیا تھا۔ (۴۶) جماعتِ مجاہدین، شاہ صاحب کے تزکیہ وتصوف کے نظریات کی عملی تفسیر تھی۔ اقبال مرحومؒ نے بھی یہی فرمایا تھا:

؎ میری طرف سے کوئی یہ کہہ دے، مجاہدِ بے خبر سے پہلے
صفائے قلب و نظر ہے لازم، جہانِ تیغ و تبر سے پہلے

اخلاقی لحاظ سے یہ لوگ خود جس بلند مقام پر پہنچے اور پورے ہندوستان کے مسلمانوں پر جو انہوں نے اثرات مرتب کیے..... ہر مؤرخ اور محقق، تاریخ وتحقیق کے روایتی خشک اُسلوب کو چند لمحوں کے لیے ایک طرف رکھ کر، اس تذکرے میں گلہائے عقیدت نچھاور کرنے سے اپنے آپ کو روک نہیں سکا۔

سید مودودیؒ اس تحریک کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ''شاہ ولی اللہ کی وفات پر پوری نصف صدی بھی نہ گزری تھی کہ ہندوستان میں ایک تحریک اُٹھ کھڑی ہوئی جس کا نصب العین وہی تھا، جو شاہ صاحبؒ نگاہوں کے سامنے روشن کر کے رکھ گئے تھے.....ان لوگوں نے عامۂ خلائق کے دین، اخلاق اور معاملات کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا اور جہاں جہاں ان کے اثرات پہنچ سکے.....وہاں زندگیوں میں ایسا زبردست انقلاب رونما ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے دور کی یاد تازہ ہوگئی.....ان (مجاہدین) کے سامنے کوئی مقصد اس کے سوا نہ تھا کہ خلق اللہ کو جاہلیت کی حکومت سے نکالیں اور وہ نظامِ حکومت قائم کریں جو خالق اور مالک الملک کی منشاء کے مطابق ہے.....ان کے

سپاہی دن کو گھوڑے کی پیٹھ پر اور رات کو جاءنماز پر ہوتے تھے۔ خدا سے ڈرنے والے، آخرت کے حساب کو یاد رکھنے والے، اور ہر حال میں راستی پر قائم رہنے والے تھے، خواہ اس پر قائم رہنے میں ان کو فائدہ پہنچے یا نقصان.....انہوں نے کہیں شکست کھائی تو بزدل ثابت نہ ہوئے اور کہیں فتح پائی تو جبّار اور متکبّر نہ پائے گئے.....ان کو ایک چھوٹے سے علاقے میں حکومت کرنے کا جو تھوڑا سا موقع ملا، انہوں نے ٹھیک اس طرز کی حکومت قائم کی جس کو **خلافت علی منہاج النبوۃ** کہا گیا ہے۔ وہی فقیرانہ امارت، وہی مساوات، وہی شوریٰ، وہی عدل، وہی انصاف، وہی حدودِ شرعیہ، وہی مال کو حق کے ساتھ لینا اور حق کے مطابق صرف کرنا، وہی مظلوم کی حمایت، اگرچہ وہ ضعیف ہو.....اور ظالم کی مخالفت اگرچہ وہ قوی ہو، وہی خدا سے ڈر کر حکومت کرنا اور اخلاقِ صالحہ کی بنیاد پر سیاست چلانا .....غرض ہر پہلو میں انہوں نے اس حکمرانی کا نمونہ ایک مرتبہ پھر تازہ کر دیا جو صدیقؓ و فاروقؓ نے کی تھی۔ (۴۷)

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے خیال میں **باطنی تربیت** اور **تعلیماتِ اسلامی کی اشاعت**، دونوں کے ملاپ سے یہ حیرت انگیز نتائج برآمد ہوئے تھے۔ (۴۸) ان لوگوں کے اخلاق اور سیرت نے پورے ہندوستان کے مسلمانوں کو متاثر کیا تھا، اور سب مسلمان کسی نہ کسی طرح اس تحریک میں شریک تھے۔

''برِعظیم کی تاریخ میں یہ ایک **عدیم المثال** مہم تھی.....اس کی تہہ میں ذاتی امنگیں کارفرما نہیں تھیں۔ اس کو ایک قوم چلا رہی تھی.....وہ ایک ایسے شعور سے پیدا ہوئی تھی جس کی تخلیق ایک مفکر کی تصانیف نے کی تھی جو یہ معلوم کر چکا تھا کہ اس کی قوم کی بیماریوں کا علاج اخلاقی احیاء میں مضمر ہے..... یہ لوگ جہاں کہیں جاتے تھے، لوگ ان کے ایثار و قربانی، اخلاص اور سادگی سے متاثر ہوتے تھے۔ یہ ان کی سادگی اور دنیوی فوائد سے بے اعتنائی ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ نہ صرف اپنے ناکافی وسائل کو وسعت دینے..... بلکہ ان لوگوں کے تخیّل پر اثر انداز ہونے میں بھی کامیاب ہوئے جو ان کی زندگی میں اسلامی روایات کے احیاء کو بہ چشم خود دیکھ رہے تھے۔ یہ لوگ اپنے دن لشکر کے انتظام و اہتمام یا اگلے روز کے کوچ کی تیاریوں میں دشوار طلب فرائض کی بجا آوری پر صرف کرتے تھے۔ جو کام بھی ان کے سپرد کیا جاتا، اس کو سرانجام دینے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھتے تھے.....اور ان کی راتیں ذکر و شغل میں گزرتی تھیں.....ان کے دلوں اور ان کی روحوں میں اخلاقی اور مذہبی جوش و خرش کی ایک زبردست لہر اُمنڈ رہی تھی۔ وہ ایک ایسی لہر تھی جو

دنیا میں ہر روز نظر نہیں آیا کرتی۔ جس چیز نے ان لوگوں پر اس قدر شدت کے ساتھ اثر کیا تھا وہ ملت کے شعور میں بھی اسی طرح سرایت کر گئی تھی۔ ان کارکنوں کی نسلوں نے، جن میں مجدّد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ جیسی عظیم المرتبت شخصیات شامل تھیں، جو کام کیا تھا، وہ بے ثمر ثابت نہیں ہوا تھا.....''۔ (۴۹)

شیخ محمد اکرام، رودِ کوثر میں اس تحریکِ جہاد کو شاہ ولی اللہ کی تحریکِ اصلاح کی ایک کڑی قرار دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

''اخلاقی حیثیت سے شاہ ولی اللہ کے خاندان نے جس طرح قوم میں نئی روح پھونک دی تھی اس کا اندازہ مولانا **سید احمد رائے بریلوی کی تحریکِ جہاد** سے ہوتا ہے۔ مغلوں کی وسیع سلطنت جاتی رہی، لیکن ان راحت طلبوں نے کروٹ نہ لی۔ مرہٹے، روہیلے، انگریز، جو آیا، اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا.....لیکن **ولی اللّٰھی تحریک** کا اثر تھا کہ لوگ اپنے گھر سے سیکڑوں میل دور، بالاکوٹ کی پہاڑیوں میں پروانہ وار اپنی جان پر کھیلتے تھے۔ یہ کوشش ناکام رہی لیکن کیا ان لوگوں کے ایثار، مذہبی غیرت اور اخلاقی جرأت میں کوئی شک ہے.....؟ (۵۰)

سوداؔ قمارِ عشق میں خسرو سے کوہ کن
بازی اگرچہ پا نہ سکا، سر تو کھو سکا

تحریکِ جہاد اور قیامِ پاکستان

ملّی غیرت، تقویٰ، جہاد فی سبیل اللہ اور اصلاحِ نفس اور اَخلاق کی یہ **''تحریک ولی اللّٰھی''** ہی تھی (۵۱) جس کا ایک ثمرہ **''مملکتِ خداداد پاکستان''** کی صورت میں دنیا کے نقشے پر ظہور میں آیا۔

مولانا سید محمد میاں لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ انقلابی طاقتیں اوّل تخم کی طرح نشو ونما پاتی ہیں پھر رفتہ رفتہ ترقی کر کے زلزلہ اور طوفان بن جاتی ہیں۔ ابتدائی اور آخری منازل میں بسا اوقات صدیوں کا فرق ہوتا ہے۔ چشمِ ظاہر بین ابتدائی منزلوں کو محسوس بھی نہیں کر سکتی.....مگر درحقیقت مستقبل کا تخم یہی ابتدائی منزل ہوتی ہے اور اس منزل کی بنیاد رکھنے والے ہی عظیم الشان مستقبل کے اوّلین معمار ہوتے ہیں۔ **''تحریکِ ولی اللّٰھی''** اور مجاہدین کی جدوجہد کا کوئی ثمرہ اس وقت ظاہر نہیں ہوا.....مگر حُبِّ وطن اور ولولۂ آزادی کا وہی تخم تھا، جو دن بدن بڑھتا رہا اور یہاں تک کہ اس کا ایک ثمرہ وہ ہے جو

تقریباً نوے سال **بعد آزادی ہند اور قیام پاکستان** کی شکل میں نمودار ہوا۔'' (۵۲)

ایم ایم شریف بھی **قیام پاکستان** کو شیخ احمد سرہندی اور شاہ ولی اللہ کے پیدا کردہ **دینی شعور کا نتیجہ اور ثمرہ** قرار دیتے ہیں.....جس نے عوام الناس میں بیداری کا سامان کیا اور اسلامی زندگی کی طرف پلٹنے کا رجحان پیدا کیا۔

Shah Wali Ullah, like Shaikh Ahmad Sirhindi, made it amply clear that Islam is not a religion in the usual sense of the term but a complete code of life which aims not only at individual righteousness but provides a framework for all individual and social activities. It was the effect of the radical change brought about by Shah Wali Ullah in the outlook of the Muslim community in the various walks of life that a mighty movement under the leadership of Shah Ismail Shahid and Sayyed Ahmad Barelvi was set afoot. This made the Muslim community realize the condition in which they had been left through a neglect of their faith, or through an incorrect approach to it. There sprang up an ardent desire in the minds of the Muslims to retrieve their position, not merely to claim the heritage of their past culture but also to revive the vitality inherent in it. Although the movement suffered defeat at the hands of the imperialistic powers, yet it could not be curbed permanently. The time that elapsed between the martyrdom of Shah Ismail and late forties of the present century is very important for it was the time during which the plant nourished by the lifeblood of Shah Wali Ullah

continued growing till it flowered into the birth of Pakistan. (۵۳

قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس

تزکیہ وتصوف کے علاوہ، شاہ صاحب نے جو دوسری خدمت اپنے ذمے رکھی تھی، وہ **تعلیمِ قرآن و حدیث** کی تھی۔ (۵۴) اور یہ بھی منتہی طلبہ کے لیے تھی۔ مقصود یہ تھا کہ اصلاحِ احوال کی عظیم تحریک کی قیادت کے لیے رجالِ کار تیار کیے جائیں۔

شاہ ولی اللہ خود تو تصنیف وتحریر کے بڑے کام میں اپنے اوقات کا زیادہ حصہ صرف کرتے رہے۔ لیکن اپنے شاگردوں کی صورت میں، جن میں ان کی اولاد نمایاں تھی..... انہوں نے اپنے جانشین تیار کر دیے تھے، جنہوں نے شاہ صاحبؒ کے بعد ایک منصوبے کے تحت اس کام کو آگے بڑھایا اور جگہ جگہ دروسِ قرآن کے حلقے اور مدارسِ دینیہ قائم کیے۔ (۵۵)

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:

> ''شاہ صاحبؒ کے جانشینوں نے قوم کے ساتھ اپنے روابط کو وسعت دی اس کی متعدد صورتیں تھیں..... انہوں نے صالح زندگی اور اسلام کی اُمنگ پیدا کرنے کے لیے باطنی تربیت کے قدیم طریقے کو ترک نہیں کیا مگر یہ ظاہر تھا کہ ایسی تربیت تمام طبائع کے لیے موزوں نہیں ہوسکتی تھی۔ اس لیے شاہ ولی اللہ کے پیروؤں نے ان کی تفسیر کے مطابق تعلیماتِ اسلامی کی اشاعت کے لیے عام جلسے منعقد کیے اور ان کی تعلیمات کو اردو زبان میں لکھنا شروع کیا جو اصطلاحی کم اور عام فہم زیادہ تھی۔ اس کام میں شاہ ولی اللہ کے بیٹوں نے نمایاں حصہ لیا۔'' (۵۶)

شاہ ولی اللہ کا درس مدرسہ رحیمیہ کے منتہی طلبہ کے لیے خاص تھا، لیکن ان کی وفات سے جس آیت پر اس درس کا سلسلہ ٹوٹا وہیں سے شاہ عبدالعزیز نے درسِ قرآن شروع کیا اور اسے عام کر دیا۔ (۵۷) مولانا رحیم بخش دہلویؒ کے بیان کے مطابق ''ہفتے میں دو بار، منگل اور جمعہ کو، کوچۂ چیلان، دہلی (پرانا مدرسہ) میں مجلسِ وعظ منعقد ہوتی تھی، جس میں خواص وعوام مورو ملخ سے زیادہ جمع ہو جاتے تھے۔'' (۵۸)

ڈاکٹر ثریا ڈار، اس درسِ قرآن کے بارے میں لکھتی ہیں:

''شاہ عبدالعزیز کے درسِ قرآن کا سلسلہ، جو بہت دلنشین، مؤثر اور سادہ وقابلِ فہم انداز میں شروع ہوا تھا، طلبہ سے زیادہ عوام کی دلچسپی کا مرکز بن گیا اور اس نے مدرسے کے ایک سبق کی بجائے اصلاحِ معاشرہ کی ایک تحریک کی شکل اختیار کرلی۔'' (۵۹)

یہ شاہ ولی اللہ کی اخلاص اور حکمت کے ساتھ کی جانے والی کوشش کا ثمرہ تھا کہ درسِ قرآن کی یہ تحریک چلی جو آج تک جاری ہے۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ اس درس کے اثرات ہمہ گیر تھے۔

''حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا درسِ قرآن ہر ہفتے، سہ شنبہ اور جمعہ کے روز ہوتا تھا جس میں خواص بطریقِ خاص اور عوام بڑے ذوق وشوق سے شریک ہوتے تھے۔ اس درس میں آپ کی طبیعت پورے جوش پر ہوتی تھی اور مضامین کی آمد سیلِ رواں کی طرح..... اس درس سے دارالسلطنت دہلی میں قرآنِ مجید کا ذوق عام ہوا..... اصلاحِ عقائد کی ایک طاقتور رو چلی اور ترجمۂ قرآن اور درس تفسیر کا وہ مبارک سلسلہ شروع ہوا جو آج تک اس برِصغیر میں جاری ہے۔ اس سلسلے سے لاکھوں انسانوں کی اصلاح ہوئی اور ان کے دل ودماغ حلاوتِ توحید اور لذتِ قرآن سے آشنا ہوئے۔ خود مدارس عربیہ میں اسی درس کے فیض یافتہ اور تربیت یافتہ علماء کے اثر سے متنِ قرآن کے دروس اور افہام وتفہیم کا سلسلہ شروع ہوا جس کو نصابِ درس میں مختصر تفسیر کی شکل میں تبرکاً جگہ دی گئی تھی..... اور علمائے دنیا کا پھیلایا ہوا یہ طلسم ٹوٹا کہ قرآنِ مجید کی اشاعت عوام میں بڑے دینی خطرات کا پیش خیمہ ہے۔ اس میں یہ مخفی اندیشہ بھی کام کررہا تھا کہ عوام ان پیشہ ور علماء کے ہاتھ سے نکل جائیں گے جنہوں نے قرآن کو چیستاں بنا رکھا تھا اور عوام کو اس سے دور رکھنے کی کوشش کی تھی۔'' (۶۰)

حالات میں یہ تبدیلی اور انقلاب شاہ صاحبؒ کی فکر کی اشاعت کے ساتھ ہی شروع ہوگیا تھا..... جسے واضح طور پر محسوس کیا جانے لگا تھا۔

شاہ عبدالعزیزؒ..... اس تبدیلی اور قرآن وحدیث کی تعلیم وتعلّم کے رواج کے بارے میں فرماتے ہیں:

''تیس سال سے دین کا کچھ چرچا ہے..... ورنہ صبح سے شام تک بجز **معقولات** کے، حدیث وتفسیر کی کتابیں کوئی کھول کر بھی نہ دیکھتا تھا۔ نہ کوئی پڑھاتا، نہ اس کے متعلق مسائل دریافت کرتا تھا، اور نہ کوئی حق

کا طالب تھا۔اب **الحمد للّٰہ** اس کا بہت رواج ہوگیا ہے۔'' (۶۱)

اس خدمت میں ایک بڑا حصہ شاہ عبدالعزیزؒ،ان کے برادرانِ گرامی قدر اور ان کے وسیع حلقۂ تلامذہ کا بھی ہے۔ان پاک نفس اور خلقِ خدا کی اصلاح کے جذبے سے معمور مصلحین کی مسلسل،پُرخلوص،ان تھک اور بےغرض کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم اپنے شہروں،گلیوں،محلّوں،مسجدوں،گھروں،سکولوں،کالجوں،دفتروں اور کارخانوں تک میں دروسِ قرآن وحدیث کی محافل کے مسلسل انعقاد کا خوش کُن منظر دیکھ رہے ہیں۔

مجموعی طور پر تفسیر و تدریسِ قرآن کی رِیت،تقلید و جمود سے نکل کر فقہ و اجتہاد کی روش کی طرف رہنمائی، ریاضت وعبادت اور تزکیۂ نفوس کے باب میں بدعات ورسوم کی اصلاح،تعلیم وتربیت کے نبوی منہاج کی ترویج، ریاست وسیاست کے دائرے میں غفلت،عیش کوشی اور دیگر امراض کی نشاندہی اور اصلاح کی تجاویز، جہاد،عزتِ نفس اور سربلندی کے راستے کی طرف رہنمائی.....غرض انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر میدان میں ان کی اصلاحات،تجاویز اور افکار.....''**فَكُّ كُـلِّ نِـظَـامٍ**'' کی انقلابی سوچ کے ساتھ پیش کردہ اسلامی زندگی کا مکمل خاکہ.....اپنی جملہ تفصیلات کے ساتھ،آج بھی فکری وعملی رہنمائی کا ایک اہم اور وقیع ذریعہ ہے۔

اپنے افکار کی روشنی میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی صدی کے مجدّد.....اور بلاشبہ آنے والی صدیوں کے امام ہیں رحمہ اللہ علیہ۔

نہ تخت و تاج میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے
تلاش اس کی فضاؤں میں کر نصیب اپنا
جہانِ تازہ مری آہِ صبحگاہ میں ہے
مرے کدو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے(۶۲)

حوالہ جات

(۱) تاریخ نظریۂ پاکستان، ص۵۱

(۲) علماء ہند کا شاندار ماضی، ۵/۲؛ برِعظیم پاک و ہند کی ملّتِ اسلامیہ، ص۲۴۸

(۳) مسلم سپین سے مسلمانوں کے استیصال کا مطالعہ، آج بھی ہندو مفکرین کی دلچسپی کا ایک اہم موضوع ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو حال ہی میں شائع ہونے والی کتاب، " The World Comes Under Islam, P: 131-136, 164,165

(۴) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص۲۲، ۲۳

(۵) اسلام ایک نظریہ، ایک تحریک، ص۱۹۲

(۶) مقدمہ فتح الرحمٰن میں لکھتے ہیں ''اگر تم انصاف سے کام لو تو نزولِ قرآن کا اصل فائدہ یہ ہے کہ اس سے نصیحت اور اس کی ہدایت سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ قرآن کا صرف تلفظ مقصود نہیں.....اگرچہ وہ بھی غنیمت ہے۔ مسلمانوں نے یہ کیا شیوہ اختیار کر رکھا ہے کہ وہ قرآن کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس شخص کو کیا حلاوت نصیب ہو سکتی ہے جو قرآن کے معانی کو نہیں سمجھتا۔ '' (قلمی نسخہ.....بحوالہ شاہ ولی اللہ کی قرآنی فکر کا مطالعہ، ص۵۸-۵۹)

(۷) کلیاتِ اقبال، بالِ جبریل، ص۲۹۷

(۸) ڈپٹی نذیر احمد، ترجمۃ القرآن، (مقدمہ)، ص۹

(۹) مذاہبِ عالم، ص۲۴۴

(۱۰) حجۃ اللہ البالغہ، دیباچہ از مصنف، ۱۲۹/۱

(۱۱) History of Muslim Philosophy, 2/1576

(۱۲) تاریخِ دعوت و عزیمت، ۱۸۲/۵، ۱۸۳

(۱۳) تجدید و احیائے دین، ص۱۰۶

(۱۴) حجۃ اللہ البالغہ، ۶۹۱/۱

(۱۵) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، باب دوم، ص۳۵ تا ۴۶

(۱۶) **التّفهيمات الالٰهية، ۱/۲۱۱، ۲۱۲**

(۱۷) تجدید واحیائے دین، ص۱۱۰

(۱۸) تجدید واحیائے دین، ص۱۱۰

(۱۹) تاریخ نظریۂ پاکستان، ص۵۱؛ رودِ کوثر، ص۵۳۳

(۲۰) دین وادب، ص۱۳۷

(۲۱) History of Muslim Philosophy, 2/1576

(۲۲) شاہ ولی اللہ کی قرآنی فکر کا مطالعہ، ص۱۰۸

(۲۳) تذکرۂ شاہ ولی اللہ، ص۱۹۱

(۲۴) تذکرۂ شاہ ولی اللہ، ص۱۸۰

(۲۵) کلیاتِ اقبال، بالِ جبریل، ص۲۷۶

(۲۶) برِعظیم پاک وہند کی ملتِ اسلامیہ، ص۲۴۶، ۲۴۷

(۲۷) رودِ کوثر، ص۵۳۲، ۵۳۳

(۲۸) دین وادب، ص۱۲۸، ۱۲۹

(۲۹) تذکرۂ شاہ ولی اللہ، ص۱۹۵

(۳۰) ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیز، ص۴۰

(۳۱) رودِ کوثر، ص۵۶۴

(۳۲) الطاف القدس میں کئی مقامات پر شاہ صاحب نے شدید الفاظ میں تنقید کی ہے، مثلاً ص ۱۳۸، ۱۳۹، اسی طرح **التّفهيمات الالٰهية** میں انہوں نے ان اہل تصوف پر جابجا کڑی تنقیدیں کیں جنھوں نے اسے دنیا طلبی اور دھوکہ دہی کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ مثلاً: **وأما الجهّال من الصوفية والمجاهدون للتصوف فاولئک قطّاع الطريق ولصوص الدين فايّاک وايّاهم**''(۲ / ۲۰۲)...... آگے چل کر ایک اور مقام پر لکھا و **منها انّى اقول فى نفسى انّ هؤلاء المتصوّفة الضّالة المضلّة فى زماننا هذا اشهد للّه باللّه عليهم انّهم فرقة نابتة فى الإسلام ليست من اصل الإسلام.**''(۱ / ۲۰۵)

(۳۳) الطاف القدس، ص ۱۵

(۳۴) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، ص ۴۵

(۳۵) مثلاً وصیت نامہ التّفہیمات الالٰہیّۃ، ۲/۲۴۵، ۲۴۶؛ جہاں وہ مسلم معاشرے کے اہم طبقات پر ، اور اسی طرح عامۃ المسلمین میں رائج ہندوانہ رسوم ورواج پر کڑی تنقید کرتے ہیں۔

(۳۶) مقدمہ ہمعات از پروفیسر محمد سرور، ص ۱۹

(۳۷) کلیاتِ اقبال، بالِ جبریل، ص ۲۴۴

(۳۸) حجۃ اللہ البالغہ، ۲/۳۵۰ تا ۳۶۰

(۳۹) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب الحیاء من الایمان، حدیث ۲۴، ص ۴

(۴۰) ''اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقا'' مسند احمد (رقم الحدیث ۷۳۵۴)، ۲/۴۹۳

(۴۱) صحیح مسلم، کتاب البر، باب فضل ازالة الاذی عن الطریق، حدیث، ۶۶۶۹، ص ۱۱۳۵

(۴۲) نبی کریمؐ سے پوچھا گیا......ای الاسلام خیر......فرمایا ......"(تطعم الطعام و تقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف)، صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب افشاء السلام من الاسلام، حدیث ۲۸، ص ۴

(۴۳) (لا تدخلون الجنة حتی تؤمنوا ،ولا تؤمنوا حتی تحابّوا......)صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان أنّه لا یدخل الجنة الّا المؤمنون، حدیث ، ۱۹۴، ص ۶۸۹

(۴۴) "المؤمن مرأة المؤمن ،والمؤمن اخو المؤمن، یکفّ علیه ضیعته و یحوطه من ورائه" ابو داؤد، کتاب الأدب، (رقم الحدیث ۴۹۱۸)

(۴۵) البقرة ۲:۱۶۵

(۴۶) ہمعات، ص ۴۸، ۴۹؛ القول الجمیل (اردو ترجمہ) ص ۳۹، ۴۰

(۴۷) تجدید و احیائے دین، ص ۱۱۴ تا ۱۱۷

(۴۸) برِ عظیم پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ، ص ۲۴۹

(۴۹) برِ عظیم پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ، ص ۲۶۳، ۲۶۴

(۵۰) رودِ کوثر، ص ۵۳۳

(۵۱) علمائے ہند کا شاندار ماضی، ۳/۷

(۵۲) علمائے ہند کا شاندار ماضی، ۳/۱۵۷

(۵۳) History of Muslim Philosophy, 2/1578

(۵۴) تذکرۂ شاہ ولی اللہ، ص ۲۰۰

(۵۵) علماء ہند کا شاندار ماضی، ۲/۴۱، ۴۲

(۵۶) برِعظیم پاک و ہند کی ملّتِ اسلامیہ، ص ۲۴۹

(۵۷) تاریخِ دعوت وعزیمت، ۵/۳۵۵

(۵۸) حیاتِ ولی، ص ۴۳۵

(۵۹) شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ اور ان کی علمی خدمات، ص ۱۳۸

(۶۰) تاریخِ دعوت وعزیمت، ص ۵/۳۵۶

(۶۱) ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیز، ص ۹۱

(۶۲) بالِ جبریل، ص ۲۸۹، ۲۹۰

مصادر و مراجع

☆ احمد بن حنبل، المسند، دار المعارف، مصر، ۱۹۳۶ء

☆ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السجستانی، السّنن (الکتب الستۃ)، دار السّلام للنّشر والتوزیع، الرّیاض، ۱۹۹۹ء

☆ بخاری، محمد بن اسمٰعیل، ابوعبداللہ، الجامع الصّحیح للبخاری۔ (الکتب الستّۃ) دار السلام للنّشر والتوزیع، الرّیاض، ۱۹۹۹ء

☆ ثریا ڈار، ڈاکٹر، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۱ء

☆ دہلوی، رحیم بخش، حافظ، حیاتِ ولی، مکتبہ طیبہ، لاہور، ۱۹۷۲ء

☆ ڈپٹی، نذیر احمد، حافظ، القرآن العظیم اردو ترجمہ، تاج کمپنی کراچی، ۱۹۶۶ء

☆ سندھی، عبیداللہ، مولانا، شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۲ء

☆ دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث، الطاف القدس فی معرفة لطائف النفس، (ترجمہ عبدالحمید سواتی)، ادارہ نشر واشاعت، مدرسہ نصرت العلوم، گوجرانوالہ، ۱۹۶۴ء

☆ دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث، القول الجمیل فی بیان سواء السّبیل، (اردو ترجمہ محمد سرور) شاہ ولی اللہ اکیڈمی، ظفر منزل، تاج پورہ، لاہور، ۱۹۶۱ء

☆ دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث، حجۃ اللہ البالغہ، (اردو ترجمہ مولانا عبدالرحیم) قومی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۸۳ء

☆ دہلوی، شاہ ولی اللہ، محدث، التفہیمات الالٰہیة، (مرتب مولوی محمد اسحاق نگینوی)، مقبول پریس دہلی

☆ دہلوی، شاہ ولی اللہ، محدث، ہمعات، (پروفیسر محمد سرور) سندھ ساگر اکیڈمی، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۹ء

☆ دہلوی، شاہ ولی اللہ، محدّث الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (مترجم۔ مولانا محمد عبیداللہ) محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، ۲۰۰۲ء

☆ قاسمی، محمد مسعود عالم، مولانا، شاہ ولی اللہ کی قرآنی فکر کا مطالعہ، المحمود اکیڈمی اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۸ء

☆ قریشی، اشتیاق حسین، ڈاکٹر، برِعظیم پاک و ہند کی ملّتِ اسلامیہ، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی، ۱۹۹۹ء

☆ گیلانی، مناظر احسن، سید، تذکرۂ شاہ ولی اللہ، نوید پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۳ء

☆ محمد اکرام، شیخ، رودِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۷ء

☆ محمد سلیم، سید، پروفیسر، تاریخ نظریۂ پاکستان، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۱۹۸۷ء

☆ محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال (مرتب) جاوید اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، مئی ۱۹۷۵ء

☆ محمد میاں، سید، مولانا، علماء ہند کا شاندار ماضی، مکتبۂ محمودیہ، لاہور، ۱۹۷۷ء

☆ مریم جمیلہ، اسلام ایک نظریہ، ایک تحریک، محمد یوسف خان اینڈ سنز، سنت نگر، لاہور، ۱۹۸۶ء

☆ مسدوسی، احمد عبداللہ، مذاہبِ عالم، مکی دارالکتب، لاہور، ۲۰۰۲ء

☆ مسلم بن حجاج القشیری، الامام، الجامع الصحیح للمسلم، (الکتب الستۃ)، دارالسّلام للنّشر والتوزیع، الرّیاض، ۱۹۹۹ء

☆ ملفوظات شاہ عبدالعزیز، پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز، کراچی، ۱۹۶۰ء

☆ مودودی ابوالاعلیٰ سید، تجدید واحیائے دین، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء

☆ نجم الاسلام، دین وادب، ادارہ اردو حیدرآباد پاکستان، ۱۹۸۹ء

☆ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، س۔ن

☆ نظامی، خلیق احمد، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، اردو بازار، لاہور، ۱۹۷۸ء

☆ The World Comes Under Islam, Gangadhar Nanda-Kaveri Books, New Dehli, 2006

☆ M.M. Sharif, History of Muslim Philosophy. Royal Book Company Karachi - 1983.